ترجمہ وتلخیص

اندلس میں علمِ حدیث کا ارتقاء

(پہلی صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری تک)

تحریر: ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ترجمہ: عبدالاول مومن ندوی

موسیٰ بن نصیر کے اندلس پر حملہ اور غلبہ کے بعد جب صحابہ کرام کی آمد ورفت شروع ہوئی تو اسی وقت علوم دینیہ کی درس وتدریس کا بھی آغاز ہوگیا۔ صحابہ میں منذر یا مینذر (بہ اختلاف روایت) اور تابعین میں موسیٰ بن نصیر فاتح، علی بن رباح، حنش بن عبداللہ الصنعانی یمنی ہیں موخرالذکر پر تو اہلِ اندلس کو ناز تھا۔[۱]

قرآن پاک کی طرح علم حدیث بھی انھیں فاتح علماء کے ساتھ داخل ہوا اور چند ہی دنوں میں اس نے وہ مقام حاصل کرلیا کہ مسلم علماء کی توجہ نے اوج ثریا تک پہونچا دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ علم حدیث اسلامی شریعت کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔

بلاد مغرب اور اندلس امام مالک بن انسؓ کی فقہ کے مرکز سمجھے جاتے تھے علم حدیث میں اہلِ اندلس کا اصلی مرجع "موطا" امام مالک تھی جسے درس وتدریس اور افتاء کی غرض سے وہ برابر مطالعہ میں رکھتے تھے۔ ان کا تعلق ان فقہاء سے تھا جو علم حدیث کو فقہ اسلامی کے لیے بنیادی مصدر مانتے تھے۔[۲] چنانچہ اس عظیم کتاب اور اس کی طرف علماء کے کثرتِ میلان کے باعث اندلس میں امام مالکؒ کے مسلک کو کافی فروغ ملا۔

البتہ اصطلاحی معنوں میں علم حدیث، مثلاً جرح وتعدیل، جمع روایات، موازنہ، انساب وعلل کی معرفت، اسماء الرجال، واجب العمل احادیث کی معرفت، ناسخ ومنسوخ کی حقیقت جمع احادیث اور دیگر مباحث سے تعرض، اہل اندلس کے یہاں غیر معروف تھا۔[۳]

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اندلس اس وقت محدثین سے خالی تھا بلکہ اس زمانہ میں وہاں معاویہ بن صالح الحضرمی، داؤد بن جعفر الصغیر، حبیب بن الولید، صعصعہ بن السلام

شامی اور غازی بن قیس القرطبی جیسے بلند پایہ محدثین موجود تھے۔ معاویہ بن صالح الحضرمی (متوفی ۱۵۸ھ - ۷۷۴م) جو اندلس کے قاضی بھی تھے، سن ۱۲۳ھ/۷۴۰م میں اندلس آئے۔ ان کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں "کہ یہ خزانہ علم اور معدن صدق وصفا تھے"[۴] اور داؤد بن جعفر الصغیر جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اپنے ایک شاگرد کو انھوں نے تین ہزار احادیث املا کرائی تھی، ابن الفرضی فرماتے ہیں کہ "ان کا تعلق قرطبہ سے تھا مالک بن انس اور سفیان بن عیینہ سے حدیث کی سماعت کی"[۵] حبیب بن الولید، صعصعۃ بن سلام الشامی (متوفی ۱۹۲ھ) جن کے متعلق ابن یونس کی رائے ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اندلس میں علم حدیث کو داخل کیا[۶] غازی ابن قیس القرطبی (متوفی ۱۹۹ھ) جنھوں نے اہل اندلس کو عبد الرحمٰن بن معاویہ کے زمانہ میں (۱۳۸ھ/۷۵۶م) امام مالک کی موطا سے متعارف کرایا اور امام مدینہ، مالک بن انسؓ سے بھی اخذ کیا تھا۔

یہ محدثین بہت کم تعداد میں تھے۔ ان کی کوئی منظم مجلس نہیں ہوا کرتی تھی اور نہ انھوں نے بعد والوں کے استفادہ کے لیے کوئی سرمایہ چھوڑا کیونکہ اہل مغرب اس وقت فقہی فروعات ہی میں زیادہ مشغول تھے۔

البتہ حدیث نبوی کی طرف انھوں نے اس وقت توجہ مبذول کی جبکہ محمد بن وضاح متوفی (۲۸۷ھ) اور بقی بن مخلد اپنے علمی سفر سے واپس آگئے۔ چنانچہ ان دونوں محدثین سے قبل علم حدیث کسی مستقل فن کی حیثیت سے معروف نہیں تھا کہ جس کے اصول وضوابط متعین ہوں۔ لوگ موطا امام مالک کے علاوہ کسی اور ماخذ سے واقف نہیں تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس علم کی طرف اس طرح توجہ نہیں دی جس طرح فقہ مالکی کی طرف دی۔ یہاں تک کہ قرعوس بن العباس جنھوں نے براہِ راست امام مالک سے سماعت حدیث کی وہ بھی فقہ مالکی ہی سے تعلق رکھتے تھے انھیں علم حدیث سے کوئی خاص شغف نہیں تھا۔ محمد بن وضاح (۱۹۹ و ۲۰۰ - ۲۸۷) وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم حدیث کو اس کے معروف معنی میں اندلس کی علمی زندگی میں داخل کیا۔ اسی لیے صحیح معنی میں پہلے محدث ہی سمجھے جاتے ہیں۔ حدیث سننے کی غرض سے لوگ ان کے پاس اکٹھا ہوتے تھے اور وہ اسناد کے ساتھ انھیں احادیث بیان کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ۲ مرتبہ مشرق کا بھی سفر کیا۔[۹]

ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ "۱۹۹ یا ۲۰۰ھ میں قرطبہ میں ولادت ہوئی۔ یحیٰ بن یحیٰ اللیثی، اسماعیل بن ابی اویس، زہیر بن عباد، اصبغ بن الفرج، حرملہ، اسحاق بن ابی اسرائیل، اور یعقوب بن کاسب وغیرہم سے حدیث کی سماعت کی۔ اس سے قبل آدم بن ابی ایاس سے سفر کر کے ملاقات کر چکے تھے پھر حجاز، شام، عراق اور مصر کی طرف بھی کوچ کیا۔ بہرکیف اندلس میں علم حدیث پہنچانے کا سہرا انہیں کے اور ان کے بعد بقی بن مخلد کے سر بندھتا ہے [۱۰]

ابن الفرضی نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ" وہ حدیث کے ایک جید عالم، طرق حدیث میں ماہر، علل حدیث پر محکم گفتگو کرنے والے، متقی، زاہد، علم کی نشر و اشاعت میں مستقل مزاجی کے ساتھ منہمک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اہل اندلس کو کافی فائدہ پہونچایا [۱۱] ابن وضاح نے سعید بن منصور آدم بن ایاس، ابن حنبل، ابن معین، ابن المدینی، عبداللہ بن ذکوان، ابوخیثمہ، ابن المصطفیٰ اور کاتب اللیث وغیرہم سے شرف ملاقات حاصل کی۔ لوگوں کو حدیث رسول کا علم، اطمینان اور مستقل مزاجی کے ساتھ اور حصول اجر کی نیت سے سکھاتے تھے۔ ابن وضاح سے احمد بن خالد، محمد بن لبابۃ، محمد بن غالب ابوصالح، ابن الخزاز عبدالملک بن ایمن، قاسم بن اصبغ اور وہب بن مسرۃ وغیرہم نے علم حدیث حاصل کیا [۱۲] ابن وضاح نے اپنی پوری زندگی حدیث اور علوم حدیث کی تدریس میں صرف کر دی مگر اس کے ذریعہ کسی عہدہ یا مال کی تمنا نہ کی۔ بلاشبہ وہ اندلس میں مدرسہ علم حدیث کے بانی اور ساتھ ہی اہلِ اندلس کی زہد و تقویٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے انسان تھے۔ [۱۳]

ابن وضاح کے بعد ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد القرطبی (۲۰۱-۲۷۶ھ/۸۱۶-۸۸۹م) کا نام آتا ہے۔ جو ابن وضاح کے معاصر تھے۔ انھوں نے پہلے اندلس میں یہ علم حاصل کیا پھر مشرق کی جانب دو بار سفر کیا۔ پہلا سفر بیس سال اور دوسرا ۱۴ سال پر مشتمل تھا۔ اسی طرح آپ نے حصول علم میں اپنی جوانی صرف کر دی۔ انھوں نے ابن وضاح کے تمام شیوخ کے علاوہ مزید ۲۸۴ شیوخ سے بھی استفادہ کیا۔ انھوں نے پہلی مرتبہ اہل اندلس کو علم حدیث میں ابن ابی شیبہ کی مسند سے متعارف کرایا۔ [۱۵]
انھوں نے امام احمد بن حنبل سے، اس وقت جبکہ امام موصوف نے اپنے

اد پر حدیث بیان کرنے پر پابندی عائد کر رکھی تھی، فقیر کے بھیس میں علم حدیث سیکھا۔[۱۶] بقی بن مخلد کا یہ امتیاز ہے کہ انھوں نے فقہ مالکی کو علمی حیثیت عطا کی۔ اس طرح بلاد اندلس میں ایک نئی بیداری پیدا کر دی۔ وہ جملہ فقہی مذاہب کی تقلید سے بالاتر ہوکر براہِ راست کتاب وسنت کی پیروی کی دعوت دیتے رہے۔ ان کی ایک بلند پایہ تفسیر اور المسند الکبیر بھی ہے۔ ان کی تفسیر کے متعلق ابن حزم کا خیال ہے کہ "اس جیسی کوئی تفسیر لکھی نہیں گئی"۔[۱۷] یحییٰ بن یحییٰ اللیثی القرطبی، ابو مصعب الزہری، یحییٰ بن بکیر، ابراہیم بن المنذر الحزامی، زہیر بن عباد، صفوان بن صالح، یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی، ابن نمیر اور ابن ابی شیبہ سے انھوں نے حدیث کی سماعت کی ہے۔[۱۸] ان سے ان کے صاحبزادے احمد، احمد بن عبداللہ الاموی اور ابن یونس القبری اور دیگر علماء نے روایت کی ہے۔[۱۹] ان کے سلسلے میں ابوالولید الفرضی کا خیال ہے کہ بقی نے اندلس کو علم حدیث سے مالا مال کر دیا۔[۲۰] مذہب اہل الاثر کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے لوگوں نے بقی کے خلاف کافی تعصب کا مظاہرہ کیا مگر اس وقت کے امیر محمد بن عبدالرحمان المروانی نے ان کی حمایت کی اور ان کی کتابوں کی نقلیں تیار کروا کر ان کی اشاعت کی، مزید فرمایا کہ "آپ اپنے علم کو جہاں تک ممکن ہو سکے خوب پھیلایئے"۔[۲۱] بقیؒ کا کہنا ہے کہ میں نے اندلس میں مسلمانوں کے لیے ایسا پودا لگا دیا ہے جسے دجال کے ظہور ہی پر اکھاڑا جا سکتا ہے۔[۲۲] ان کے متعلق ابن حزم کا خیال ہے کہ بقی امام احمد بن حنبل کے خاص لوگوں میں سے تھے اور بخاری، مسلم اور نسائی کی راہ کے رہرو تھے۔[۲۳] یہ درس دینے کے ساتھ کتابوں کی تالیف بھی کرتے رہے۔ ان کا شمار اندلس کے بلند پایہ مولفین میں ہوتا ہے۔ بقی نے ایک مسند بھی تصنیف کی جس میں احادیث کو رجال سند اور موضوع کے اعتبار سے ترتیب دیا۔ کتانی نے اس مسند کے متعلق ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ اس مسند میں انھوں نے ایک ہزار تین سو سے کچھ زائد صحابہ کرام سے روایت کی ہے اور اس کی ترتیب ابواب فقہ کے لحاظ سے کی ہے۔ اس کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تالیف ہے جس کی مثال ابھی منصۂ شہود پر نہیں آسکی ہے۔[۲۴]

ان دونوں کے معاصر شیخ الفقہاء والمحدثین ابو محمد بن قاسم البیانی الاندلسی القرطبی (۲۷۶ھ) ہیں۔ جو امامِ مجتہد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ایک کتاب "الایضاح فی الرد

علی المقلدین " کے مصنف بھی ہیں۔ البتہ علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا وہ مقام نہیں ہے جو ابن وضاح اور بقی کا رہا ہے۔ ان علماء کے علاوہ اندلس میں دیگر اور علماء حدیث بھی نظر آتے ہیں جن میں ابو عمر احمد بن خالد بن یزید القرطبی (متوفی ۳۱۲ھ) سر فہرست ہیں، جنھیں ابن الجباب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ انھوں نے یمن میں بقی بن مخلد، محمد بن واضح، قاسم بن محمد اور اسحاق الدبری سے اور مکہ میں علی بن عبد العزیز سے سماعت کی[۲۶] ان کے متعلق قاضی عیاض کا خیال ہے کہ فقہ مالکی میں امام مانے جاتے تھے اور علم حدیث میں بے مثال درک رکھنے والے تھے۔ ان سے خلق کثیر نے سماعت کی ہے[۲۷] جن میں محدث اندلس حافظ ابو عبد اللہ محمد بن فطیس بن واصل المغافقی الاندلسی الیمیری (۳۱۹ھ) ہیں جو ابن فطیس سے بھی معروف ہیں۔ طلب حدیث کی خاطر مصر، حرم، افریقہ، کا سفر کیا اور کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے اس سفر میں دو سو شیوخ سے ملاقات کی[۲۸]

ان کے بعد ابو عبد اللہ محمد بن قاسم بن محمد بن قاسم القرطبی (۲۰۲ - ۳۲۸ھ) نے اپنے والد ماجد اور بقی بن مخلد وغیرہ سے سماعت حدیث کی۔ اس کی خاطر سفر کیا چنانچہ مکہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، دمیاط، اسکندریہ اور قیروان میں ۱۶۰ شیوخ سے استفادہ کیا[۲۹] ابو محمد الباجی فرماتے ہیں کہ میں نے قرطبہ میں ان سے بڑا محدث کسی کو نہیں پایا۔[۳۰] ان کے بعد معروف محدث حافظ قاسم بن اصبغ البیانی، القرطبی (۲۴۴ - ۳۴۰ھ/۸۵۸-۹۵۲م) آئے۔ انھوں نے قرطبہ میں بقی بن مخلد، محمد بن وضاح، مطرف بن قیس، اصبغ بن خلیل اور ابن مرۃ سے سماعت کی[۳۱] ۲۷۴ھ میں مشرق کا سفر کیا[۳۲] مکہ، بغداد اور کوفہ میں قیام کیا اور ان شہروں کے علماء و شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔[۳۳] مکہ میں محمد بن اسماعیل الصائغ اور علی بن عبد العزیز سے کوفہ میں ابراہیم بن ابی العباس وغیرہ اور عبد اللہ بن الامام احمد بن حنبل سے حدیث کی سماعت کی۔ ابن ابی خیثمہ کی تاریخ خود انہی کے واسطہ سے لکھی۔ ابن قتیبہ سے ان کی اکثر کتابوں کی سماعت کی اور اسی طرح دیگر اصحاب علم سے بھی، مصر میں محمد بن عبد اللہ العمری سے استفادہ کیا۔[۳۴] جب اندلس آئے تو علم کا ایک خزانہ ان کے پاس تھا۔ چنانچہ لوگ احمد ابن زہیر کی تاریخ ابن قتیبہ کی کتابوں اور علوم حدیث کی طلب میں ٹوٹ پڑے[۳۵] ان کے متعلق ابن الفرضی

مقری اور ذہبی کا کہنا ہے کہ انھیں حدیث اور رجال حدیث پر بڑی دسترس حاصل تھی۔[۳۶]
ان سے ان کے پوتے قاسم بن محمد بن قاسم، عبد اللہ بن محمد الباجی، عبد الوارث اور
خالد بن سعد القرطبی نے حدیث کی سماعت کی[۳۷] سنن ابی داؤد کے انداز پر ایک سنن
ترتیب دی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب یہ ۲۷۶ھ میں محمد بن الیمین کے ساتھ عراق آئے
تو ان کی آمد سے ذرا پہلے ابو داؤد وفات پا چکے تھے۔ وہیں ہر ایک نے یہ طے کر لیا
کہ ابو داؤد کی کتاب جس شکل میں موجود ہے اسی طرح کی ایک اور کتاب ترتیب دی جائے
چنانچہ ایسا ہی کیا اور اپنے شیوخ کی روایت سے احادیث کی تخریج کی۔ اس طرح دو اور
اہم تصنیفات کا اضافہ ہوا۔ پھر قاسم بن اصبغ نے اپنی تصنیف کا اختصار پیش کیا اور اس
کا نام "المجتبیٰ" رکھا اور ۲۴۹۰ احادیث کو کل ۷ حصوں میں منقسم کیا۔[۳۸] اندلس میں علم
حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا بہت اہم رول رہا ہے[۳۹]

ان کے معاصرین میں حافظ امام ابو علی الحسن بن سعد بن ادریس القرطبی (متوفی
۳۳۱ھ) رہے ہیں جنھوں نے بقی بن مخلد سے سماعت کی مکہ میں علی بن عبد العزیز البغوی،
یمن میں اسحاق الوبری، مصر میں یوسف بن یزید القراطیسی اور بصرہ میں ابو مسلم الکجّی سے
بھی سنا، یہ علامۂ زمانہ، غیر مقلد مجتہد اور امام شافعیؒ کے اقوال سے زیادہ موافقت رکھتے
تھے[۴۰] ان کے دوسرے معاصر ابو الحزم وہب بن حنکرۃ التیمی الاندلسی (متوفی ۳۴۶ھ)
بھی ہیں۔ انھوں نے محمد بن وضاح اور عبید اللہ بن یحییٰ اور اس طبقہ کے افراد سے سماعت
کی۔ قاضی عیاض کا ان کے متعلق خیال ہے کہ یہ فقہ کے حافظ، اس میں دسترس رکھنے
والے اور حدیث و رجال اور علل حدیث میں ماہر تھے۔ ساتھ ہی زہد و تقویٰ میں بے مثال
تھے[۴۱]

اندلس میں علم حدیث اسی رفتار کے ساتھ نشو و نما پاتا رہا یہاں تک کہ قاسم بن
اصبغ کے شاگرد رشید امام خالد بن سعد القرطبی (متوفی ۳۵۲ھ) نے اندلس کے علماء
حدیث پر ایک جامع کتاب تصنیف کی۔ یہ قرطبہ میں اپنے ہم عصر حفاظ حدیث میں نمایاں
مقام رکھتے تھے۔ ایک عظیم امام کی حیثیت سے بھی معروف تھے۔ ان کے بارے میں
آتا ہے کہ انھوں نے ایک نشست میں ۲۰ احادیث حفظ کر ڈالیں[۴۲] اندلس کے امیر
مستنصر کہا کرتے تھے کہ "جب اہل مشرق ہمارے سامنے یحییٰ بن معین پر فخر کا اظہار کریں گے

توہم خالد بن سعد کو پیش کریں گے اور ان پر فخر کریں گے[۴۳] اس وقت کے مشہور محدثین میں قرطبہ کے ابوعمر احمد بن سعید بن حزم بن یونس الصدفی (۲۸۴ - ۳۵۰ھ/۸۹۷ - ۹۶۱ء) ہیں انھوں نے ۳۱۱ھ میں طلب علم کے لیے رخت سفر باندھا اور زبردست ذخیرہ علم کے ساتھ اندلس واپس آئے[۴۴] جن کی آثار پر مکمل توجہ رہتی ہے[۴۵] ایک بڑی جماعت نے ان سے علم حدیث کا درس لیا اور اندلس میں تاحیات حدیثیں بیان کرتے رہے اور سنت نبوی کی خدمت میں لگے رہے[۴۶]

ان کے بعد ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یحییٰ بن مفرج الاموی الاندلسی القرطبی کا نام آتا ہے۔ (۳۸۰ھ) جو ابن المفرج کے نام سے مشہور رہیں اور جن کے والد قنوری کے نام سے معروف ہیں۔ قرطبہ میں قاسم بن اصبغ اور طرابلس میں خیثمہ بن سلیمان سے حدیث کی سماعت کی۔ ان سے حافظ ابوسعید بن یونس جو خود ان کے شیخ ہیں، ابوالولید بن الفرضی، ابوعمر احمد بن محمد الطلمنکی اور ایک خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ ان کے شیوخ کی تعداد ۲۳۰ تک پہونچتی ہے[۴۷] ابن الفرضی کی رائے ہے کہ "وہ حافظ حدیث تھے، رجال حدیث اور ان کے احوال سے بخوبی آگاہ تھے[۴۸] ابوعمر احمد بن محمد بن عفیف کا کہنا ہے کہ "ابوعبداللہ بن مفرج ان لوگوں میں سے تھے جن کو علم سے کافی لگاؤ تھا۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ اور فن رجال پر کافی عبور رکھتے تھے۔ میں نے ان کی طرح اس فن میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اندلس میں موجود تمام محدثین کے مقابلہ میں زیادہ ثقہ اور اپنی کتابوں کو خوب اچھی طرح یاد رکھنے والے تھے[۴۹] مسند قاسم بن اصبغ کو سات جلدوں میں جمع کیا[۵۰]

اندلس کے معروف محدثین میں ابوالقاسم خلف بن القاسم بن سہل (۳۲۵ - ۳۹۳ھ) ہیں مشرق کا سفر کیا اور مصر، مکہ، دمشق کے اکثر محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ حدیث مالک اور حدیث شعبہ کی تصنیف کی اور زہد کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی[۵۱] اندلس کی ایک جماعت نے ان کے واسطہ سے حدیث بیان کی جن میں ابوعمر الدانی، ابوعمر یوسف بن عبدالبر ہیں۔ ابن عبدالبر کا حال تو یہ تھا کہ اپنے جملہ شیوخ میں کسی کو بھی ان سے زیادہ قابل نہیں سمجھتے تھے[۵۲]

اس زمانہ کے ایک اور محدث ابوعمر احمد بن عبداللہ بن محمد علی اللخمی الاشبیلی۔

(۳۴۲ - ۳۹۶) جو ابن الباجی کی کنیت سے مشہور ہیں۔ انھوں نے مشرق کا سفر کیا[53] ابو عبداللہ الخولانی کا کہنا ہے کہ ابوعمر حدیث اور وجوہ حدیث سے واقف، مشہور امام تھے۔ میں نے کوئی محدث متانت وسنجیدگی میں ان کے برابر نہیں دیکھا[54] عبدالغنی الازدی کا کہنا ہے کہ ابوعمر نے میرے واسطے سے لکھا ہے اور میں نے ان کے واسطہ سے لکھا ہے[55] امام ذہبی کا خیال ہے کہ ان سے ابوعمر بن عبدالبر نے حدیث بیان کی[56] ان کے بعد ابوجعفر احمد بن محمد بن عبیدہ الاقوی الطلیطلی ابن میمون (متوفی ۴۰۰ھ) کا نام آتا ہے۔ انھوں نے اندلس کے اکثر محدثین سے سماعت کی اور مشرق کا سفر کیا۔ چنانچہ جب واپس آئے تو لوگ زانوئے تلمذ تہ کرنے کی خاطر لپک پڑے[57] ابن مظاہر کہتے ہیں کہ "ان کا شمار اہل دانش وبینش میں ہوتا تھا۔ حافظ فقہ اور حدیث کے عظیم راوی سمجھے جاتے تھے۔ تمام علوم میں درک رکھتے تھے، اخلاق وادب اور زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ طریقۂ آخرت پر پوری طرح گامزن تھے۔ انھوں نے شادی نہیں کی تھی۔[58] ان کے ساتھی ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن حسین بن شنظیر الاموی (متوفی ۴۰۲ھ) تھے۔ یہ دونوں شیوخ "الصاحبان الحافظان کے لقب سے مشہور تھے[59]

ابن بشکوال نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ "یہ دونوں علم حدیث، روایت کی تحقیق وضبط میں پوری توجہ دینے میں مقابلہ کے شہ سوار سمجھے جاتے تھے[60] ابواسحاق ایک شب زندہ دار، کثرت سے روزے رکھنے والے، زاہد اور متقی شخص تھے۔ ان پر علم حدیث اور اس کے طرق کی معرفت کا غلبہ رہتا تھا[61]

ان کے بعد حافظ مقری ابوعمر احمد بن محمد بن عبداللہ المعافری القرطبی الطلمنکی۔ (۳۴۰-۴۲۹ھ) کا شمار ہوتا ہے انھوں نے اندلس میں اکثر محدثین سے سماعت کی۔ مشرق کا رخت سفر باندھا اور وہاں کے محدثین سے ملاقات کی اس طرح اندلس علم حدیث کا عظیم ذخیرہ لے کر واپس آئے[62] ان کے واسطہ سے ابوعمر بن عبدالبر اور ابومحمد بن حزم وغیرہم نے روایت کی[63] علوم قرآن وحدیث کے امام اور سنن کے حافظ تھے۔ بلاشبہ وہ اپنے زمانہ کے بلا شرکت غیرے ایک بے مثال عالم تھے[64] امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ "حدیث اور رجال حدیث کی مکمل معرفت انھیں حاصل تھی۔ سنن کے حافظ، دینی اصولوں سے واقف کار بلند پایہ اسناد کے حامل

اورعزم واستقامت کے پہاڑ تھے [۶۵] طلمنکی ہی کی طرح علم حدیث میں قاضی القضاۃ ابوعبیداللہ یونس بن عبداللہ بن محمد بن مغیث القرطبی (۳۸۸ - ۴۲۹) بھی ہیں۔ انھوں نے بہتر ے محدثین سے سماعت حدیث کی ہے اوراس کی طرف سنجیدگی سے توجہ مبذول کی۔ مصر سے حسن بن رشیق اورعراق سے ابوالحسن دارقطنی نے انھیں سند اجازت عطا کی۔ سنن نسائی وغیرہ کو ابو بکر محمد بن معاویۃ المروانی اور مؤطا کے راوی ابوعیسیٰ اللیثی کے واسطہ سے بیان کیا[۶۶] ان کے ساتھی ابوعمر بن مہدی کا خیال ہے کہ "یہ فقہ وحدیث کے جید علماء میں سے تھے، بہت زیادہ روایتیں بیان کرنے والے خوش قسمت، زہد وتقویٰ پر مشتمل عمدہ اشعار رکھنے والے بلیغ اور خشوع وخضوع سے پر خطابت کے حامل تھے۔ جو بھی سنتا وہ خود پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ مزید براں وہ ایک متقی، زاہد وعابد شخص تھے[۶۷] حسین مونس نے نقل کیا ہے کہ "وہ حدیث وفقہ میں کافی دسترس رکھتے تھے[۶۸] اور یہ دونوں عالم الطلمنکی اور ابوعبداللہ یونس ایک پوری نسل کے استاذ ہیں جو، ابن حزم ظاہری، ابوعبداللہ محمد بن غیاث، علی الجیانی، ابوالولید الباجی جیسے افراد پر مشتمل ہے۔ جنھوں نے محمد بن وضاح اور بقی بن مخلد کے منصوبوں اور مقرر کردہ مناہج پر پوری طرح عمل کرکے دکھایا۔

پانچویں صدی ہجری میں قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنے میں وسعت کا عمل مکمل ہوگیا۔ اس طبقہ کے محدثین میں حافظ ابوعمر اورعثمان بن سعید بن عثمان القرطبی ہیں۔ ہیں جنھیں الدانی سے جانا جاتا ہے۔ (۳۷۱ - ۴۴۴) انھوں نے بھی بلادِ مشرق کا سفر کیا اور اکثر محدثین سے سماعت کی[۶۹] الدانی کہا کرتے تھے کہ "مجھے جو چیز بھی ملتی اسے نوٹ کرلیتا اور جسے تحریر کرلیتا وہ یاد ہوجاتی اور جو چیز یاد ہوگئی وہ کبھی نہیں بھولی[۷۰] ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ "ابوعمر علم قرارت، روایات، تفسیر، معانی حدیث، طرق اور اعراب حدیث کے ایک جید امام تھے۔ ان تمام فنون میں عمدہ تالیفات جمع کی ہیں۔ انھیں حدیث، طرق حدیث، اور اسماء الرجال میں کافی دسترس حاصل تھی وہ خوشخط بھی تھے اور بلا کے ذہین سمجھے جاتے تھے[۷۱]

انھیں میں حافظ ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم القرطبی الظاہری بھی ہیں جنھیں ابن حزم (۳۸۴ - ۴۵۶ھ) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے آباد واجداد میں

سے کوئی پہلی بار اندلس میں سکونت پذیر ہوئے[۳۲] ان کے معاصر ابو مروان بن حیان الاندلسی فرماتے ہیں کہ" ابن حزم متعدد علوم و فنون میں ماہر تھے۔ جن میں حدیث، فقہ، جدل، نسب اور متعلقات ادب شامل ہیں جبکہ قدیم تعلیم میں مختلف النوع میدانوں کے شہ سوار بھی تھے[۳۳]

ابو حامد الغزالی فرماتے ہیں کہ' اللہ تعالیٰ کے اسماء پر ایک ایسی کتاب میرے دیکھنے میں آئی جس کی تالیف ابو محمد ابن حزم نے کی ہے جسے دیکھ کر صاحب تالیف کی حد درجہ ذکاوت اور سرعت فہم کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے[۳۴]

ابن حزم کے شاگرد قاضی صاعد بن احمد الاندلسی فرماتے ہیں کہ" ابن حزم اہل اندلس میں اسلام کے جملہ علوم کے جامع اور علم و معرفت کے اعتبار سے فائق تھے۔ جبکہ علم اللسان، بلاغت، شعر، سنن، آثار و اخبار میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مجھے ان کے صاحبزادہ الفضل نے بتایا کہ ان کے پاس ان کے والد کی ..۴ تالیفات ان کی اپنی تحریر میں موجود ہیں جو تقریباً اسی ہزار اوراق پر مشتمل ہیں[۳۵] حافظ ابو عبداللہ محمد بن فتوح الحمیدی فرماتے ہیں کہ" ابن حزم حافظ حدیث، کتاب و سنت سے احکام مستنبط کرنے والے بیک وقت کئی کئی علوم کے ماہر اور علم کے ساتھ عمل کے پابند تھے۔ میں نے ان کی طرح کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اتنا ذہین، سریع الفہم، متدین اور شریف ہو۔ حدیث کے میدان میں تو ید طولیٰ رکھتے تھے[۳۶]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ" علامہ حافظ ابن حزم الظاہری نے علوم شرعیہ میں دلچسپی پیدا کی۔ ان میں نمایاں مقام حاصل کیا اور اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت لے گئے۔ مشہور کتابوں کی تالیف کی وہ ایک ادیب و طبیب اور فصیح شاعر تھے[۳۷] عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ" میں نے اسلامی کتابوں میں ابن حزم کی" المحلی" اور شیخ موفق کی " المغنی" جیسی کوئی کتاب نہیں دیکھی[۳۸] وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ مالکی فقہاء نے بربنائے تعصب ان کے خلاف علاقہ کے امراء کو ابھارا چنانچہ وہ ان سے ناراض ہو گئے۔ انھیں ایذا پہونچائی، جلاوطن کر دیا اور ان کی کتابوں کو علانیہ طور پر جلا ڈالا۔ ایسے موقع پر ابن حزم نے ایک شعر کہا، جو حروف زریں سے لکھنے کے قابل ہے۔

فان یحرقوا القرطاس لا یحرقوا الذی   تضمنه القرطاس بل هو فی صدری

"پس اگر وہ کاغذ جلا دیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، قرطاس کے اندر جو کچھ ہے اسے نہیں جلا سکتے بلکہ وہ میرے سینے میں محفوظ ہے۔
علماء اسلام میں سوائے ابن جریر طبری کے اور کوئی بھی اس مقام و مرتبہ کا حامل نہیں بنا۔[۷۹]

ان علماء میں ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی (۳۶۸-۴۶۳ھ، ۹۷۸-۱۰۷۱ء) بھی ہیں، جنھوں نے اکثر علماء اور محدثین سے سماعت کی۔ ابو القاسم عبد الوارث بن سفیان کے سامنے موطا ابن وہب "عن قاسم بن اصبغ عن ابن وضاح عن سحنون وغیرہ" کی سند سے پڑھی اور ابو عمر الطلمنکی سے بھی چند روایتیں پڑھیں اور حافظ ابو الولید بن الفرضی کے سامنے مسند مالک پڑھی۔[۸۰] بہت سے علماء اور محدثین نے ان کے واسطہ سے حدیثیں بیان کی ہیں۔ جن میں ابو محمد ابن حزم، حافظ ابو علی الغسانی الجیانی اور حافظ ابو عبداللہ الحمیدی وغیرہم ہیں۔[۸۱] الحمیدی فرماتے ہیں کہ "ابو عمر ایک فقیہ، حافظ، قرات کے عالم، علوم حدیث اور رجال حدیث میں ماہر ہیں اور قدیم السماع تھے۔[۸۲]
ابو الولید الباجی فرماتے ہیں کہ "علم حدیث میں ابو عمر بن عبدالبر جیسا فرد اندلس میں کوئی نہیں تھا۔ مزید فرماتے ہیں "ابو عمر اہل مغرب میں عظیم ترین حافظ مانے جاتے ہیں۔[۸۳] ابو علی الغسانی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عبدالبر کو کہتے ہوئے سنا کہ "علم حدیث میں قاسم بن محمد اور احمد بن خالد الحباب جیسا اندلس میں کوئی نہیں ہے۔ مزید ابو علی نے فرمایا کہ "ابن عبدالبر ان دونوں سے کسی طرح نہ تو کم اور نہ ہی پیچھے تھے۔"[۸۴] امام ذہبی فرماتے ہیں کہ "یہ ثقہ امام، علامہ، متبحر اور قابل اتباع شخص تھے۔[۸۵] بہت ساری تصنیفات چھوڑی ہیں۔ مگر ہم یہاں ان ہی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو علم حدیث سے متعلق ہیں۔ ابو علی الغسانی فرماتے ہیں کہ "ابو عمر نے موطا کے متعلق مفید کتابیں تصنیف کی جن میں "کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید" معروف ہے۔ اس کی ترتیب امام مالک کے شیوخ کے ناموں پر حروف تہجی کے اعتبار سے کی ہے۔ ۷۰ اجزاء پر مشتمل ایسی تصنیف کسی اور کی منظر عام پر نہیں آسکی ہے۔[۸۶] ابن حزم فرماتے ہیں کہ "فقہ حدیث پر ایسی تالیف ہی جب میرے علم میں نہیں ہے تو اس سے بہتر کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔[۸۷] ابن عبدالبر اس کتاب کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

۱۔ سیمر فوادی من ثلاثین حجة وصاقل ذهنی والمفرج عن همی

۲۔ بسطت لهم فیه کلام نبیهم لمافی معانیه معنی الفقه والعلم

۳۔ وفیه من الاداب ماتهتدی به الی البر والتقوی ونهی عن الظلم[۸۸]

(۱) یہ تیس برسوں سے میرے قلب وجگر کی ہم راز ہے۔ میرے ذہن کو صیقل کرنے والی اور میرے غم کو دور کرنے والی ہے۔

(۲) میں نے انسانوں کی خاطر نبی کے کلام کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ اس میں علم ومعرفت کے معانی موجود ہیں۔

(۳) اس کتاب میں ایسے آداب ہیں جن سے بر وتقویٰ کی پرورش اور ظلم سے روکنے کی رہنمائی ملتی ہے۔

ان کی ایک اور کتاب "الاستذکار" کے نام سے ہے۔ حاجی خلیفہ کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کہ یہ کتاب ان کی ایک دوسری کتاب التمہید کا اختصار ہے[۸۹]

انھوں نے الاستذکار لمذہب علماء الابصار کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں التمہید لمافی الموطا من المعانی والا سانید کے مباحث بھی شامل ہیں[۹۰]

ایک دوسری کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" کے نام سے لکھی جو صحابہ کے حالات پر بہت ہی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے (۹۱)

ایک اور تصنیف "جامع بیان العلم وفضلہ" ہے[۹۲]۔ ایک دوسری تصنیف "کتاب الدرر فی اخبار المغازی والسیر" ہے[۹۳] امام ذہبی فرماتے ہیں کہ "ابوعمر کی وفات ربیع الآخر ۴۶۳ھ جمعہ کی رات میں ہوئی۔ اس طرح انھوں نے ۹۵ برس، پانچ دن مکمل فرمائے۔ (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے) میرا خیال ہے کہ "وہ مغرب کے اپنے زمانہ میں بلند پایہ حافظ تھے۔ اسی تاریخ میں حافظ مشرق ابوبکر الخطیب کی وفات ہوئی[۹۴]

اس علم میں جلیل القدر مرتبہ کے حامل ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی (۴۰۳ھ۔ ۴۷۴ھ/۱۰۱۲۔ ۱۱۰۸) بھی ہیں، اندلس میں اکثر علماء اور محدثین سے سماعت کی پھر ۴۲۶ھ میں مشرق کی طرف کوچ کیا۔ اور دمشق وموصل میں سماعت کی اور مکہ میں ابوذر الدوی سے سماعت کیا پھر بغداد کا سفر کیا اور وہاں تین سال تک قیام پذیر رہے۔ وہاں فقہ وحدیث کا درس دیتے تھے۔ چند علماء سے ملاقات بھی کی۔ مثلاً ابوالطیب الطبری

الفقیہ اور شیخ ابواسحاق الشیرازی۔ خطیب سے انھوں نے روایت کی اور خطیب نے ان سے روایت کی[۹۵] خطیب فرماتے ہیں کہ ابوالولید الباجی نے اپنے متعلق مجھے یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

إذا كنت اعلم علما يقينـاً ۔۔۔ بانٍ جميع حياتي كساعة
فلم لا اكون ضنيـا بهـا ۔۔۔ واجعلها في صلاح وطاعة

مجھے جب یہ اچھی طرح پتہ ہے کہ میری پوری زندگی ایک لمحہ کے برابر ہے تو پھر کیوں نہ میں اس کی قدر کروں اور اسے خیر و طاعت میں لگا دوں[۹۶]۔

انھوں نے ابوعبداللہ الصوری سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے والہانہ محبت کرتے تھے یہاں تک کہا کرتے تھے کہ "الصوری میری معلومات کی حد تک سب سے بلند پایہ حافظ ہیں"[۹۷] تیرہ سال بعد علم کا ایک ذخیرہ لیے ہوئے اندلس واپس آئے۔ جسے انھوں نے نہایت فقر و تنگدستی کی حالت میں حاصل کیا تھا[۹۸]

ان سے حافظ ابوبکر الخطیب اور حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے بھی روایت کی ہے جبکہ یہ دونوں ان سے عمر میں بڑے ہیں اور ابوعبداللہ الحمیدی اور حافظ ابوعلی الصدفی نے بھی روایت کی ہے۔ ان سے ابوعلی الغسانی اور ابوبکر الطرشوشی نے سماعت کی ہے[۱۰۰]۔

اندلس کے متعدد مقامات پر قضاء کے عہدہ پر فائز رہے[۱۰۱] علماء ان کی غایت درجہ تعظیم کرتے تھے۔ ان کے متعلق قاضی عیاض کا خیال ہے کہ یہ سنجیدہ، خوب رو اور بارعب تھے[۱۰۲] ابن ماکولا فرماتے ہیں کہ یہ جلیل القدر، عالی ہمت تھے[۱۰۳] ابوعلی ابن سکرۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالولید الباجی جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی کو ان کی طرح خوب رو اور باوقار پایا[۱۰۴]

چنانچہ قاضی ابوبکر محمد بن مظفر الشاشی کا حال یہ تھا کہ وہ الباجی کا اسی طرح احترام کرتے تھے جس طرح کوئی بیٹا اپنے باپ کی تکریم کرتا ہے۔

ابوعلی ابن سکرۃ کہتے ہیں کہ میں نے شاشی سے کہا کہ "اللہ تعالیٰ آپ کا رتبہ بلند کرے یہ شیخ اندلس کے صاحبزادہ ہیں۔ تو انھوں نے کہا کہ شاید وہ ابن الباجی ہیں؟ میں نے جواب دیا، ہاں! تو وہ ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے[۱۰۵]

حدیث و فقہ کے موضوع پر انھوں نے کئی ایک تصنیفات چھوڑی ہیں۔ حدیث

سے متعلق بعض اہم تصنیفات یہ ہیں۔
(۱) کتاب التعدیل والتجریح لمن خرج لہ البخاری فی الجامع الصحیح[۱۰۶]
(۲) المنتقی فی شرح الموطا[۱۰۷]
(۳) المعانی فی شرح الموطا بیس اجزاء پر مشتمل یہ ایک بے مثال تالیف ہے۔[۱۰۸]

ان محدثین میں حافظ ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر فتوح بن عبداللہ الازدی الحمیدی الاندلسی الظاہری (۴۲۰ - ۴۸۸ھ) ہیں۔ اندلس، مصر، شام، عراق، مکۃ المکرمۃ اور افریقہ میں حدیث کی سماعت کی[۱۰۹] ابو الولید الباجی سے سنا[۱۱۰] ابن حزم اور ابوعبداللہ القضاعی ابو عمر بن عبداللہ اور ابوبکر الخطیب جیسے علماء سے بھی سماعت کی[۱۱۱] مکہ میں المحدثہ کریمہ المروزیہ سے اور مصر میں عبدالعزیز الضراب سے سماعت کی[۱۱۲] محمد بن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ "مجھے ۴۲۵ھ میں سماعت کی غرض سے کندھے پر اٹھا کر لے جایا جاتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے فقیہ ابو القاسم اصبغ بن راشد سے سنا' جو کچھ ان کے سامنے پڑھا جاتا میں اسے سمجھتا تھا[۱۱۳] ان کے واسطہ سے ابو عامر العبدری طرخان الترکی اور ان کے شیخ ابوبکر الخطیب وغیرہم نے احادیث بیان کیں[۱۱۴] اور ان کے دوست امیر ابونصر ابن ماکولا نے بھی ان کے واسطہ سے حدیث بیان کی ہے۔[۱۱۵]

الامیر ابن ماکولا فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دوست حمیدی جیسا باعفت اور علم سے شغف رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ انھوں نے تاریخ اندلس لکھی[۱۱۶] یحیی ابن ابراہیم السلمانی کہتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا کہ "میری نگاہوں نے الحمیدی کی طرح فضل و شرافت، وسعت علم اور علم کی نشر و اشاعت کا شائق نہیں دیکھا۔ مزید فرمایا کہ وہ با اعتماد، متقی، امام حدیث تھے اور علل حدیث کا علم رکھتے تھے۔ میں نے انھیں محقق مذہب اہل الحدیث کے مطابق اور اصول میں کتاب و سنت کی موافقت میں صاحب بصیرت پایا، وہ فصیح اور عربی زبان و ادب اور فن ترسل میں باکمال تھے[۱۱۷] حسین بن محمد ابن خسرو فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن میمون ان کے یہاں حاضر ہوئے' دروازہ کھٹکھٹایا اور یہ سمجھا کہ الحمیدی نے انھیں اجازت دے دی ہے اور وہ داخل ہو گئے اچانک قابل ستر مقام پر ان کی نگاہ پڑ گئی۔ الحمیدی رونے لگے اور فرمایا کہ بخدا تمہاری نگاہ ایسی جگہ پڑی ہے جہاں کسی کی نگاہ میرے ہوش سنبھالنے کے بعد سے نہیں

پڑی تھی۔[۱۱۸]

شیخ الحمیدی عمدہ شعر کہتے تھے۔ ابن طرخان کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ الحمیدی نے اپنے سلسلے میں ایک شعر پڑھا:

(۱) لقاء الناس لیس یفید شیئاً — سوی الہذیان من قیل وقال

(۲) فاقلل من لقاء الناس الا — لاخذ العلم او اصلاح حال[۱۱۹]

ترجمہ: ۱۔ لوگوں سے ملاقات کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی سوائے گپ شپ کے۔

۲۔ پس لوگوں سے ملنا کم کردو البتہ علم حاصل کرنے یا اصلاح حال کے لیے ملنے میں کوئی حرج نہیں۔ انھیں کے یہ اشعار بھی ہیں۔

۱۔ کلام اللّٰہ عزوجل قولی — وما صحت بہ الاثار دینی

۲۔ وما اتفق الجمیع علیہ بدأ — وعوداً فہو عن حق مبین

۳۔ فدع ماصد عن ھذا وخذھا — تکن منہا علی عین الیقین[۱۲۰]

ترجمہ: اللہ عزوجل کا کلام میری گفتگو ہے اور آثار صحیحہ میرا طریقۂ عبادت ہے۔

۲۔ جس پر سبھی کا بربنائے دلیل اتفاق ہو وہی حق مبین ہے۔

۳۔ چنانچہ جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو اور جو حق ہو اس کو پکڑ لو۔ اس طرح تمہیں عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا۔

ان کی مشہور کتابوں میں "کتاب الجمع بین الصحیحین" اور جذوۃ المقتبس فی اخبار الاندلس" ہیں۔[۱۲۱] ابن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے سنا کہ "علم حدیث کی تین کتابیں ایسی ہیں جن کو درخور اعتنا سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی کتاب، کتاب العلل ہے۔ اور اس موضوع پر سب سے عمدہ کتاب دارقطنی کی ہے۔ دوسری "کتاب المؤتلف والمختلف" ہے۔ اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب امیر ابن ماکولا کی "الاکمال ہے" تیسری "کتاب وفیات المشائخ" ہے۔ اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے۔ الحمیدی کہتے ہیں کہ میں خود اس موضوع پر کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔[۱۲۲]

محدثین کا یہ طبقہ ایسا تھا جو حدیث اور علوم حدیث میں اپنے انہماک اور مہارت کے ساتھ ساتھ اپنی بہترین یادداشت کی بنا پر مشہور و معروف تھا۔ ان میں سرفہرست حافظ ابو علی الحسین بن محمد الغسانی الجیانی (۴۲۷ھ — ۴۹۸ھ) محدث عصر ہیں۔ انھوں نے حکم بن محمد الجذامی کے واسطہ سے حدیث بیان کی جو ان کے عظیم المرتبت شیخ تھے۔

مزید براں انھوں نے حاتم ابن محمد الطرابلسی، ابوعمر بن عبدالبر ابوعبیداللہ محمد بن عتاب محدث ابوعمر بن الحذار، ابوشاکر عبدالواحد المقبری، سراج بن عبداللہ القاضی، ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی، ابوالعباس احمد بن عمر بن دلہاث اور ان کے علاوہ بھی متعدد افراد سے حدیثیں بیان کیں[۱۲۳] وہ آخری وقت تک اندلس ہی میں مقیم رہے۔[۱۲۴]

ان کے واسطہ سے محمد بن محمد بن حکم الباہلی، محمد ابن احمد بن ابراہیم الجیانی البغدادی قاضی ابوعلی بن سکرۃ، ابوالعلا زہیر بن عبدالملک الآبادی، عبداللہ بن احمد بن سماک الغرناطی، حافظ عبدالرحمٰن بن احمد بن ابی لیلیٰ، یوسف بن لبقی السخوی، اور محمد بن عبداللہ بن خلیل القیسی مسند (مراکش) مغرب نے روایت کی چنانچہ موخرالذکر نے ان کے واسطے سے ۵۰۷ھ میں صحیح مسلم میں احادیث بیان کیں[۱۲۵] اور ان سے قاضی ابوالصدنی[۱۲۶] اور قاضی عیاض وغیرہ نے سنا۔[۱۲۷]

ابن بشکوال کہتے ہیں کہ "حسین الغانی قرطبہ میں رئیس المحدثین مانے جاتے تھے۔ ان کا شمار نمایاں محدثین اور بلند پایہ مستند علماء میں ہوتا تھا۔ حدیث، کتب حدیث اور ضبط روایت کی طرف پوری توجہ دی، خوشنویس اور جید حافظ تھے[۱۲۸] امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ" ان کا شمار عظیم حفاظ میں ہوتا تھا، عربی زبان وادب، شعر وانساب پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اور ان عام علوم میں کتابیں بھی تصنیف کیں۔ لوگ ان کے پاس طلب علم کے لیے آتے اور نقل وروایت پر اعتماد رکھتے تھے[۱۲۹] السہیلی نے الروض میں فرمایا ہے کہ مجھ سے ابوبکر بن طاہر نے ابوعلی الغسانی کے واسطہ سے بیان کیا کہ ابوعمر ابن عبدالبر نے ان سے کہا کہ "تم پر اللہ تعالیٰ کی یہ امانت ہے کہ اگر تم کسی ایسے صحابی سے واقف ہو جن کا تذکرہ میری کتاب الاستیعاب میں نہیں ہے تو تم ان کا نام اس میں درج کر دینا۔[۱۳۰]

ابن عطیہ نے ان کے متعلق فہرس میں فرمایا ہے کہ" وہ اندلس کے ایسے شخص ہیں جن پر علم حدیث، رجال حدیث اور علل کی معرفت کا معیار قائم ہوا وہ علم نحو، ادب، شعر اور غریب الفاظ پر بھی کافی عبور رکھتے تھے[۱۳۱] الحسن بن مغیث فرماتے ہیں کہ "ابوعلی ان کامل ترین لوگوں میں سے ہیں جن کو میں نے حدیث کا علم رکھنے، طرق حدیث کی معرفت اور فن رجال پر دسترس رکھنے میں ممتاز پایا ہے۔ انھوں نے لغت کی کتابوں

سے بحث کی ہے، اشعار کی بکثرت روایت کی ہے اور میری واقفیت کی حد تک کسی نے بھی ان سے زیادہ روایات جمع نہیں کیں[۱۳۲] اور کتابوں کی تصحیح کے معاملہ میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے[۱۳۳] علم حدیث پر انھوں نے بیش بہا تصنیفات چھوڑی ہیں۔ الکتانی کہتے ہیں کہ "ان کی کتاب تقیید المہمل وتمییز المشکل" دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ تمام الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں جن کے بارے میں بخاری ومسلم کے راویوں کو التباس ہوا ہے[۱۳۴]۔ ان کی ایک تصنیف ابن عبدالبر کی "الاستیعاب" کے لیے تکملہ وتتمہ کی حیثیت رکھتی ہے[۱۳۴]۔ ان کی دیگر تصانیف میں "تسمیۃ شیوخ ابی داؤد السجستانی فی مصنفہ"[۱۳۵] اور "فہرست ابی علی حسین بن محمد الغسانی"[۱۳۶] بھی شامل ہیں۔

ان کے بعد ابوعلی الحسین بن محمد بن منیرہ بن صیرن الصدفی السرقطی الاندلسی (متوفی ۵۱۴) کا نام آتا ہے جو ایک عظیم محدث تھے اور ابن سکرۃ سے معروف تھے۔ قاضی ابوالولید محمد بن سعدون، ابوبکر الشاشی اور نصر المقدسی سے سماعت حدیث کی[۱۳۷] اور ابوعلی الجیانی سے بھی حدیث کی سماعت کی[۱۳۸] امام ذہبی فرماتے ہیں کہ "علم وافر لے کر آئے اور فن حدیث کے متن واسناد میں مہارت تامہ پیدا کی۔ ساتھ ہی ساتھ خوش نویس، ضبط اور حسن تالیف، فقہ وادب، دینداری، تواضع وانکساری میں ممتاز تھے[۱۳۹]

صاحب نفح الطیب ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث طرق حدیث کے عالم، علل سے آگاہ اسماء الرجال اور ناقلین حدیث سے واقف، خوش نویس، عمدہ یادداشت کے مالک تھے۔ خود اپنی تحریر سے بہترے علوم نقل کیے۔ حدیث کی کئی تصنیفات کے حافظ، متون واسانید اور رواۃ کو مستحضر رکھنے والے تھے محض حافظے کی بنیاد پر صحیح بخاری ایک سفر میں اور صحیح مسلم دوسرے سفر میں تحریر کیا۔ ان دونوں کتابوں سے کافی لگاؤ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ سنن ترمذی سے بھی والہانہ تعلق تھا۔[۱۴۰] قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ "مجھ سے ابواسحاق ابراہیم بن جعفر فقیہ نے بیان کیا کہ" ابوعلی الحسین نے ان سے فرمایا کہ صحیح حدیث مجھ سے حاصل کرو اور میرے سامنے جو متن بھی پڑھو گے میں اس کی سند بتا دوں گا اور جس سند کا ذکر کرو گے میں اس کا متن بتا سکتا ہوں[۱۴۱]

صحیح بخاری کا صحیح ترین نسخہ مغرب میں ان کے پاس موجود تھا جسے انھوں نے خود

صحیح بخاری کا صحیح ترین نسخہ مغرب میں ان کے پاس موجود تھا جسے انھوں نے خود اپنے قلم سے تحریر کیا تھا۔ کتانی فہرس الفہارس میں لکھتے ہیں کہ "بعد میں لوگ طرابلس میں ۱۲۱۱ھ میں صحیح بخاری کے ایک اصل نسخہ سے واقف ہوئے جسے حافظ الصدفی نے خود تحریر فرمایا تھا۔ جس کی خوب تعریف کی[122] اور مزید فرمایا کہ "اس کے آخر میں قاضی عیاض کے سماع کا تذکرہ خود ان کی تحریر میں موجود ہے اور آغاز میں ابن جاعہ، حافظ الدمیاطی، ابن العطار اور سخاوی کی یہ تحریر ہے کہ اس نسخہ کو حافظ ابن حجر العسقلانی نے اپنی شرح فتح الباری کی بنیاد بنایا ہے اور اسی پر اعتماد رکھا ہے۔ کیونکہ یہی نسخہ مشرق و مغرب، حرمین، مصر، شام، عراق اور مراکش میں متداول رہا۔ لہٰذا اسی کو معتبر سمجھنا زیادہ مناسب بھی تھا۔ جیسے ان کے شاگرد ابن سعادہ کی روایت قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے۔[123] الکتانی فرماتے ہیں کہ برہان الدین ابن جاعہ نے اس نسخہ کو ۸۰۲ھ میں دیکھا تو انھیں بہت پسند آیا اور فرمایا کہ اگر میں کوئی واضح نسخہ خوبصورت تحریر سے لکھتا اور اس سے موازنہ کرتا تو یہ نسخہ زیادہ عمدہ لگتا کیونکہ اس کے تحریر کرنے والے ایک جلیل القدر عالم ہیں۔[124]

ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ "یہ ان بزرگ ترین لوگوں میں ہیں جنھوں نے میرے پاس اجازت کے لیے لکھا۔[125] امام صدفی سے بہتیرے علماء اور محدثین نے سماعت کی۔ ان کے مشہور شاگردوں میں ابو محمد عبدالحق بن عطیہ (متوفی ۵۳۲ھ)[126] اور قاضی عیاض ہیں[127] ان کی مشہور تالیفات میں "برنامج فی اسماء شیوخہ"[128] اور "التعلیقۃ الکبریٰ فی الخلاف"[129] ہیں۔ سن (۵۱۴ھ - ۱۱۱۸ء) میں اسپانیوں کے ہاتھوں حافظ صدفی کا شہر اور ان کی جائے پیدائش سرقطہ کا سقوط ہوا تو انھوں نے عوام کی غیرت و حمیت کو للکارا اور انھیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے تقریریں کیں۔ چنانچہ ایک عظیم اسلامی لشکر حافظ صدفی اور امیر ابراہیم بن یوسف الرابطی کی قیادت میں اکٹھا ہو گیا۔ گرچہ ان کی عمر ۶۰ سال سے زاید ہو چکی تھی۔ لیکن بڑی ثابت قدمی اور سرگرمی سے اس جہاد کی تیاریاں کیں اور جب فریق مخالف سے مقابلہ ہوا تو علماء صالحین کے ایک گروہ کے ساتھ خدا کی رضا کے لیے انھوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔[130]

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری اندلس میں حدیث اور علوم حدیث کا سنہری دور مانا جاتا ہے چھٹی صدی ہجری میں حافظ جیانی اور الصدفی کے اکثر شاگرد علماء نے حدیث اور علوم

حدیث سے اشتغال رکھا۔ ان کا شمار علوم حدیث اور دیگر علوم کے متاخرین علماء میں ہوتا ہے۔ ان میں حافظ ابوبکر محمد بن جندرہ بن مفوذ المعافری جو ابن مفوذ (متوفی ۵۱۵ھ) سے معروف ہیں، سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہیں۔ انھوں نے اپنے چچا طاہر الحافظ اور ابو علی الغسانی کے واسطہ سے حدیث بیان کی اور ابو عمر بن الحذاء، اور قاضی ابوالولید الباجی کی طرف سے اجازت یافتہ بھی تھے[۱۵۱]۔ ان کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں کہ "یہ حافظ جید عالم، ادب اور فنون ادب کے ماہر تھے۔ قرطبہ میں حدیث بیان کی اور اپنے شیخ ابو علی الحافظ کے صحیح جانشین قرار پائے[۱۵۲]۔

انھیں میں علامہ ابو محمد عبدالحق بن غالب کے والد ماجد ابوبکر غالب بن عبدالرحمٰن الغرناطی الاندلسی (۴۴۱ - ۵۱۸ھ) ہیں[۱۵۳]۔ انھوں نے بہت سے محدثین سے سماعت کی اور اپنے والد اور حافظ ابو علی الغسانی کے واسطہ سے روایت کی[۱۵۴]۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ یہ "حافظ حدیث اور طرق و علل میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فن رجال کے ماہر، متون و معانی کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ ہم نے اپنے بعض اصحاب کی تحریر پڑھی ہے کہ انھوں نے ان سے ذکر کرتے ہوئے سنا کہ صحیح بخاری کو سات سو مرتبہ دہرایا۔[۱۵۵]

انھیں میں حافظ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن سلیمان الاندلسی الاشبیلی محدث قرطبہ ہیں (۵۲۲ھ) ابو علی الغسانی کی صحبت اختیار کی اور ابو علی ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو ذہین اور وسیع العلم گردانتے تھے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ "حدیث و علل کے حافظ، فن رجال اور جرح و تعدیل میں مہارت تامہ، ثقہ اور ضابطہ تھے۔ ان کی کئی ایک تصنیفات ہیں جن میں "الاقلید فی بیان الاسانید" اور کتاب معرفۃ اسانید الموطا" وغیرہ ہیں۔[۱۵۶]

اس صدی کے حافظ ابو جعفر احمد بن عبدالرحمٰن بن محمد الاندلسی ہیں جو البطروجی (۵۴۲ھ) سے مشہور ہیں۔ ابو علی الغسانی وغیرہ محدثین سے اخذ و استفادہ کیا۔ ان کے واسطہ سے ابن بشکوال، محمد بن عبدالعزیز الشنوری اور دیگر لوگوں نے روایت کی۔[۱۵۷] ان کے متعلق ابن بشکوال کا کہنا ہے کہ یہ "حدیث و فقہ، رجال و تاریخ کے بلند پایہ حافظ اور اپنے ہم عصروں پر فائق تھے۔ ابن بشکوال کے علاوہ دیگر افراد کا خیال ہے کہ "ان کی کئی ایک مشہور تالیفات ہیں اور یہ رجال و تراجم رجال پر عبور رکھتے تھے[۱۵۸]۔

جیانی اور صدفی کے شاگردوں میں قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ

ابن العربی المعافری الاندلسی ہیں۔ (۴۶۸ - ۵۴۳/۱۰۷۶ - ۱۱۴۸) سن ۴۸۵ھ میں مشرق کا سفر کیا اور اہل شام وحجاز سے سماعت کی۔ حج کیا اور دو مرتبہ بغداد گئے۔ ابوبکر الشاشی اور ابو حامد الغزالی کی صحبت میں رہے۔ اسکندریہ تشریف لے گئے، وہاں محدثین کے ایک گروہ سے ملاقات کی۔ ان سے حدیثیں لکھیں، استفادہ کیا اور فائدہ بھی پہونچایا۔[۱۵۹] اور علم کے خزانہ سے مالامال ہوکر اندلس واپس آئے۔[۱۶۰] ان کے متعلق ان کے شاگرد ابن بشکوال کا خیال ہے کہ "حافظ متبحر، اندلس کے آخری عالم۔ امام اور حافظ تھے[۱۶۱] اور ان کے متعلق حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی نے بدیعۃ البیان کی شرح میں لکھا ہے کہ "یہ ایک مشہور حافظ اور معتبر امام تھے۔[۱۶۲]

ان کا ذکر استاذ ابوجعفر احمد بن ابراہیم الزبیر نے اپنے "صلہ" میں کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "انھوں نے اپنے والد ابومحمد کے ساتھ دولت عبادیہ کے سقوط کے بعد سن ۴۸۵ھ میں حج کا سفر کیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریبًا ۱۷ سال تھی۔ چنانچہ مصر کے شیوخ سے ملاقات کی اور کئی ایک افراد کا نام گنایا پھر فرمایا کہ" انھوں نے احادیث نوٹ کیں، روایتوں کو اکٹھا کیا اور بکثرت روایت کی۔[۱۶۳] ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ قاضی ابوبکر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اجتہاد کے درجہ پر فائز ہیں[۱۶۴] جلیل القدر علماء نے ان سے استفادہ کیا۔ جن میں قاضی عیاض، ابن بشکوال، صاحب فہرست ابن خیر اور ابوعبداللہ بن سعادۃ ہیں۔ علم حدیث میں ان کی درج ذیل تصنیفات ہیں:۔

(۱) عارضۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی
(۲) کوکب الحدیث والمسلسلات[۱۶۵]
(۳) العواصم من القواصم[۱۶۶]

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی السبتی (متوفی ۵۴۴ھ) کا شمار بھی عظیم محدثین میں ہوتا ہے۔ قاضی حافظ ابوعلی الغسانی نے انھیں اپنی مسند اجازت عطا فرمائی۔ انھوں نے ابوعلی بن سکرۃ وغیرہم سے استفادہ کیا۔[۱۶۷] ان کے شاگردوں میں خلف ابن بشکوال ہیں۔ ان کے متعلق ابن خلکان فرماتے ہیں کہ یہ "حدیث" علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب، ایام وانساب میں امام وقت مانے جاتے تھے۔[۱۶۹]

ان کے شاگرد خلف ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ "وہ صاحب فہم وذکاء اور اہل علم

وفن میں سے تھے۔ انھوں نے ایک لمبی مدت سبتہ میں قضا کی ذمہ داری ادا کی اس کے بعد کچھ دنوں غرناطہ میں یہی خدمت انجام دی پھر وہ قرطبہ واپس آ گئے۔ تو ہم نے ان سے استفادہ کیا۔[۱۷۰] ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ مختلف علوم میں تبحر پیدا کیا اور عمدہ تالیفات پیش کیں۔ ان کی تصنیفات اقصائے عالم میں پھیل گئیں۔ جس سے انھیں کافی شہرت ملی[۱۷۱] ابن صعد نے ترجمہ "من النجم الثاقب" میں ان کے حوالے سے یہ لکھا ہے۔ مجھے جو حدیث یا روایت ملی اس کی اسناد سے میں واقف تھا[۱۷۲] حافظ السخاوی ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "وہ علوم حدیث نحو لغت، کلام عرب اور انساب میں اپنے تمام ہم عصروں سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے[۱۷۳] ان کے متعلق ابوالحسن بن عبداللہ النباہی المالقی نے فرمایا کہ "انھوں نے بہت سی حدیثیں جمع کی تھیں اور اس کی طرف پوری توجہ دیتے تھے اور وہ علم، ذہانت، ہوشمندی اور سوجھ بوجھ میں یقین رکھنے والوں میں سے تھے[۱۷۴]

علم حدیث اور سیرت پر ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ جن میں "الشفا فی شرف المصطفیٰ" یا "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ"[۱۷۵] ہے۔ دوسری تصنیف کتاب الاکمال ہے جو مسلم کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے۔ ایک اور تصنیف مشارق الانوار ہے جو انتہائی مفید کتاب ہے جسے صحاح ثلاثہ میں (موطا، بخاری، مسلم) وارد غریب احادیث کی تفسیر کے طور پر تحریر کی ہے[۱۷۶]

کسی شیخ کا قول ہے کہ "سورج مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوتا تھا۔ اب ایک اور سورج قاضی عیاض کی کتاب الشفاء کی صورت میں ہم مشرق والوں پر طلوع ہوا ہے[۱۷۷] ابن فرحون نے کتاب المشارق کے بارے میں فرمایا ہے کہ "یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر آب زر سے لکھی جاتی یا جواہرات سے تولی جاتی پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوتا[۱۷۸] علم حدیث میں ان کی ایک دوسری تصنیف "الاسماع الی معرفت اصول الروایۃ وتقیید السماع" ہے[۱۷۹] دوسری تصانیف "شرح حدیث ام زرع اور "کتاب التنبیہات" ہیں[۱۸۰]

قاضی عیاض کے بعد حافظ ابوبکر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ الاشبیلی (۵۰۲-۵۷۵ھ) جو ابن خیر سے مشہور رہیں، کا ذکر آتا ہے۔ انھوں نے کئی شیوخ، قاضی ابوبکر ابن العربی،

ابوالقاسم بن بقی، اور ابن مغیث وغیرہم سے استفادہ کیا[۱۸۱] ابن الآباد نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ "یہ حد درجہ روایت کرنے والے تھے اور ایک سو سے زائد شیوخ سے سماعت کی اور ان کے ہم عصروں میں کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا[۱۸۲] ان کی ایک مشہور کتاب "فہرستہ" ہے جس میں اپنے شیوخ کے واسطہ سے تمام علوم کی روایت کی ہے[۱۸۳]

ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن الازدی الاشبیلی (۵۱۰ - ۵۸۱) ابن خیر کے معاصر ہیں۔ جنھیں ابن الخراط سے بھی جانا جاتا ہے[۱۸۴] ان کے فضل وکمال کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ ابوبکر ابن عساکر نے انھیں سند اجازت خود لکھ کر دیا[۱۸۵] ان کے متعلق ابو عبداللہ البلنسی الابار فرماتے ہیں کہ "وہ فقیہ، حافظا، حدیث علل اور فن رجال کے جید عالم تھے۔ خیر وصلاح، زہد وتقویٰ، سنت کی پابندی اور دنیا سے بے رغبتی میں معروف تھے[۱۸۶] ان کی ہر ایک تصنیف "الجمع بین الصحیحین والاحکام" کے دو نسخے "کبریٰ وصغریٰ" کی شکل میں موجود ہیں[۱۸۷]

چھٹی صدی کے ایک محدث ابو القاسم خلف بن عبدالملک بن سعود بن موسیٰ بن بشکوال الاندلسی، القرطبی (۴۹۲ - ۵۷۸) ہیں۔ انھیں حافظ، ناقد اور محدث اندلس جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے بہت سے محدثین سے استفادہ کیا۔ جن میں القاضی ابوبکر ابن العربی ہیں، ابوعلی بن سکرۃ الصدفی نے انھیں سند اجازت عطا فرمائی[۱۸۸] ان کے متعلق ابوعبداللہ الابار نے فرمایا کہ "وہ بکثرت روایت کرنے والے اور حد درجہ اس سے شغف رکھنے والے تھے۔ وجوہ وعلل سے آگاہ، حجت، اپنے زمانہ کے فائق، حافظ، اخباری اور اندلس کے واقعات کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ اپنے شیوخ کے واسطہ سے سنداً چار سو سے زائد کتابوں کی روایت کی ہے۔ جن میں چھوٹی بڑی سبھی شامل ہیں۔ لوگوں نے حصول علم کی خاطر ان کی طرف سفر کیا اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے واسطہ سے ہم سے ایک جماعت نے حدیث بیان کی اور انھیں صلاح باطن سے متصف اور طلبہ کے حق میں صبر وتواضع کا پیکر قرار دیا۔ مختلف علوم میں پچاس تالیفات چھوڑی ہیں۔ اشبیلیہ کے بعض مقامات میں ابن عربی کی نیابت میں قضا اور شروط کے انعقاد کی ذمہ داری سونپی گئی۔ پھر علم کے سنانے ہی پر اپنے آپ کو محدود رکھا

یہی وجہ ہے کہ ان سے روایت کرنے والے بے شمار ہیں۔ جن میں ابوبکر بن خیر، ابوالقاسم القنطری، ابوبکر بن سمحون اور ابوالحسن بن الضحاک بھی ہیں۔ یہ تمام کے تمام ان سے قبل ہی وفات پا گئے [189]

ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ جن میں مشہور یہ ہیں۔

(۱) صلۃ تاریخ ابن الفرضی وغوامض الاسماء المبہمۃ۔

(۲) کتاب معرفۃ العلماء الافاضل والمسلسلات۔

(۳) حدیث من کذب علیّ بطرقہ [190]

اسی صدی کے ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ المعروف بالسہیلی (۵۰۸ - ۵۸۱) ہیں۔ ان کی کتابوں میں ایک "الروض الانف" سیرت نبوی کی شرح کے طور پر تصنیف کی گئی ہے [191]

اسی صدی کے مشہور عالم حافظ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن خلف الاندلسی (۵۱۱ - ۵۹۰) ہیں۔ جنھیں ابن الفخار کے نام سے جانا جاتا ہے [192] ابن الآبار نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ: تمام حفاظ کے امام اور فائق عصر، متون واسانید کو بیان کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ رجال سے واقف اور غریب احادیث کے حافظ تھے [193]

میں نے طوالت کے خوف سے علم حدیث کے میدان میں مشہور علماء کے ذکر ہی پر اکتفاء کیا ہے۔ ورنہ اندلس کو علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ اور وہاں کی درس گاہیں مثلاً جامع اشبیلیۃ، جامع قرطبۃ، جامع غرناطہ، جامع طلیلۃ، اور جامع بیسرۃ، علم حدیث اور آداب وغیرہ کے لیے معروف تھیں [194]

۶۴۳ھ میں قرطبہ کا سقوط ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے دوسرے شہروں پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ ۸۹۸ھ میں وہاں کا آخری شہر غرناطہ بھی صلیبیوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس طرح دیار اندلس کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ جبکہ وہاں کا اسلامی عہد علم و ادب کے اعتبار سے۔ تاریخ علم کا دور زریں شمار ہوتا ہے یورپ اور دیگر تمام ممالک علم کے معاملہ میں ان کے دست نگر تھے۔ اب موسیٰ بن نصیر اور طارق ابن زیاد کہاں سے آئیں گے جو مسلمانوں کی گم شدہ عظمت کو بحال کر سکیں۔

حواشی

۱ احمد امین، ظہر الاسلام، ۳، ۱۴۸۔
۲ حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام ۳۰، ۴۴۸۔
۳ ابن الفرضی، تاریخ علماء الاندلس ۲۰، ۱۲۰ مقدمہ ابن خلدون، ۱۴۴۔
۴ الذہبی، التذکرۃ ۱۰، ۱۷۶ ۵ تاریخ علماء الاندلس ۱۰، ۱۲۲
۶ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۱۰، ۲۵۹ ۷ ابن القوطیہ، تاریخ فتح الاندلس ۲۵۰
۸ تاریخ علماء الاندلس ۱، ۲۹۰
۹ ابن فرحون، الدیباج المذہب، ۲۳۸۔ مزید ملاحظہ ہو۔ احسان عباس، تاریخ الادب الاندلس،
۲۸۔ (فرموس بن عباس) ۱۰ التذکرۃ۔ ۱/ ۷۴ - ۶۴۔
۱۱ ایضاً ۱۰، ۶۲۷ ۱۲ ابن وضاح کتاب البدع والنہی عنہا (المقدمۃ)
۱۳ الدیباج المذہب، ۲۳۹، شجرۃ النور الزکیۃ، ۷۶۔
۱۴ تاریخ علماء الاندلس ۱، ۱۰۷
۱۵ حسین مونس، شیوخ العصر فی الاندلس، ۶۴۔
۱۶ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۳، ۲۹۲ - ۲۹۳۔
۱۷ التذکرۃ، ۲، ۶۳۰۔ ۱۸ ایضاً ۱۹ ایضاً۔
۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ایضاً ۲۴ التذکرہ، ۲، ۶۴۸
۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ایضاً ۳، ۸۰۲۔
۲۹ احمد المقری، نفح الطیب ۶، ۱۶۰-۱۶۱ ۳۰ ایضاً ، ۱۶۱
۳۱ ایضاً ۱۱۸، ۳۲ ایضاً ۳۳ ایضاً ۳۴ ایضاً ۱۲۰۔
مزید دیکھئے، التذکرہ، ۳، ۸۵۴۔
۳۵ نفح الطیب، ۶، ۱۲۰ ۳۶ تاریخ علماء الاندلس۔ ۱، ۲۹۷۔
۳۷ التذکرہ، ۳، ۸۵۶ ۳۸ نفح الطیب، ۶، ۱۲۱
۳۹ ظہر الاسلام، ۳، ۵۱ ۴۰ التذکرۃ، ۳، ۸۷۰
۴۱ ایضاً، ۳، ۸۸۰ ۴۲ ایضاً ۹۱۹، سیر اعلام النبلاء، ۱۶، ۱۸۔

۴۳ھ سیر اعلام النبلاء، ۱۶، ۱۹، التذکرۃ، ۳، ۹۱۹۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱، ۱۱۳۔
۴۴ھ سیر اعلام النبلاء، ۱۶، ۱۰۵ ۴۵ھ ایضاً۔
۴۶ھ ایضاً، تاریخ علماء الاندلس، ۱، ۹۴
۴۷ھ التذکرہ، ۳، ۱۰۰۷۔ ۴۸ھ ایضاً۔ ۱۰۰۸۔
۴۹ھ ایضاً، ۱۰۰۷، نفح الطیب، ۷، ۲۴۷ ۵۰ھ التذکرۃ، ۳، ۱۰۰۸
۵۱ھ ایضاً۔ ۳، ۱۰۲۵ ۵۲ھ ایضاً۔ ۵۳ھ ایضاً۔ ۱۰۵۸۔ ۵۴ھ ایضاً
۵۵ھ ایضاً ۱۰۵۹ ۵۶ھ ایضاً ۵۷ھ ایضاً ۱۰۹۱۔ ۵۸ھ ایضاً ۵۹ھ ایضاً۔
۶۰ھ ایضاً ۱۰۹۳ ۶۱ھ ایضاً ۶۲ھ ایضاً ۱۰۹۸۔ ۶۳ھ ایضاً۔ ۱۰۹۸ – ۱۰۹۹
۶۴ھ ابن بشکوال الصلۃ، ۱، ۴۴ ۶۵ھ التذکرہ۔ ۳، ۱۰۹۹۔
۶۶ھ سیر اعلام النبلاء، ۱۷، ۵۶۹ – ۵۷۰ آگے سیر اعلام
۶۷ھ ابوالحسن، تاریخ قضاۃ الاندلس، ۹۵، ۹۶۔
۶۸ھ حسین مونس، شیوخ العصر، ۸۲۔ ۶۹ھ التذکرۃ، ۳، ۱۱۲۰
۷۰ھ ایضاً۔ ۱۱۲۱ ۷۱ھ ایضاً ۷۲ھ ایضاً۔ ۳، ۱۱۴۶۔
۷۳ھ مصطفیٰ احمد زرقاء، مقدمہ معجم فقہ ابن حزم، ۱، ۱۳
۷۴ھ التذکرہ۔ ۳، ۱۱۴۷ ۷۵ھ ایضاً
۷۶ھ الحمیدی، جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس، ۲۱۹
۷۷ھ معجم فقہ ابن حزم، ۱۔ ۱۳ ۷۸ھ لسان المیزان، ۴، ۲۳۲
۷۹ھ ایضاً۔ ۲۳۳ ۸۰ھ سیر اعلام، ۱۸، ۱۵۵ ۸۱ھ ایضاً۔
۸۲ھ جذوۃ المقتبس، ۳۶۷، دیکھئے: سیر اعلام، ۱۸، ۱۶۵۔
۸۳ھ الصلۃ، ۲، ۶۷۷۔ ۶۷۸، دیکھئے: وفیات الاعیان، ۷، ۶۶
۸۴ھ التذکرۃ ۳، ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰، سیر اعلام، ۱۸، ۱۵۶۔
۸۵ھ سیر اعلام ۱۸، ۱۵۷۔
۸۶ھ ایضاً، ۱۵۷۔ ۱۵۸، وفیات الاعیان، ۷، ۶۷، الصلۃ، ۳، ۶۷۸
۸۷ھ وفیات الاعیان، ۷، ۶۸، الصلۃ ۲، ۶۷۸۔ بغیۃ الملتمس، ۹۰۴، سیر اعلام النبلاء، ۱۸، ۱۵۸۔
۸۸ھ محمد ابوزہو، الحدیث والمحدثون، ۲۵۱۔

۸۹ه حاجی خلیفہ، کشف الظنون ۲، ۱۹۰۷۔
۹۰ه سیر اعلام، ۱۸، ۱۵۸۔
۹۱ه مطبوع علی ہامش: الاصابہ (داراحیاء التراث العربی، بیروت)
۹۲ه مطبوع من بیروت (بیروت سے شائع شدہ) مزید دیکھئے: وفیات الاعیان، ۷، ۶۷۔
۹۳ه مطبوع۔ دیکھئے مزید: وفیات الاعیان۔
۹۴ه سیر اعلام، ۱۸، ۱۵۹۔ ۹۵ه وفیات الاعیان، ۲، ۴۰۸۔
۹۶ه ایضاً۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹، دیکھئے: تاریخ قضاۃ الاندلس، ۹۵۔
۹۷ه السیوطی، طبقات الحفاظ، ۴۲۸۔
۹۸ه التذکرہ، ۳، ۱۱۷۹۔ ۹۹ه ایضاً
۱۰۰ه ابوالولید الباجی، التعدیل والتجریح، ۱، ۲۸۔ (المقدمۃ)
۱۰۱ه التذکرۃ، ۳، ۱۱۸۰۔ ۱۰۲ه القاضی عیاض، ترتیب المدارک، ۴، ۸۰۳
۱۰۳ه نفح الطیب، ۶، ۱۷۶ ۱۰۴ه ایضاً۔ ۱۷۵
۱۰۵ه التذکرۃ، ۳، ۱۱۸۰ ترتیب المدارک، ۴، ۸۰۴
۱۰۶ه طبع (دار اللواء ریاض۔ ۱۹۸۶ء
۱۰۷ه سیر الاعلام، ۱۸، ۵۳۸ (حواشی کے ساتھ) ۱۰۸ه ایضاً۔
۱۰۹ه التذکرہ، ۳، ۱۱۲۶۔ ۱۱۰ه ایضاً۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۱ه ایضاً، ۴، ۱۲۱۸۔
۱۱۲ه سیر اعلام، ۱۹، ۱۲۱۔ ۱۱۳ه التذکرۃ، ۴، ۱۲۱۸، نفح الطیب، ۶، ۳۰۰۔
۱۱۴ه سیر اعلام، ۱۹، ۱۲۲۔ ۱۱۵ه وفیات الاعیان۔ ۴، ۲۸۲۔
۱۱۶ه التذکرۃ۔ ۴، ۱۲۱۹ ۱۱۷ه ایضاً۔ سیر اعلام، ۱۹، ۱۲۳۔
۱۱۸ه التذکرہ۔ ۴، ۱۲۱۹، سیر اعلام، ۱۹، ۱۲۲۔
۱۱۹ه سیر اعلام، ۱۹، ۱۲۷، التذکرۃ، ۴، ۱۲۲۲۔ وفیات الاعیان، ۴، ۲۸۳۔
۱۲۰ه التذکرہ۔ ۴، ۱۲۲۲، سیر اعلام، ۱۹، ۱۲۷
۱۲۱ه نفح الطیب، ۶، ۲۰۱ ۱۲۲ه سیر اعلام، ۱۹، ۱۲۵
۱۲۳ه ایضاً۔ ۱۹، ۱۲۸۔ ۱۲۹ ۱۲۴ه ایضاً۔ ۱۹، ۱۲۹
۱۲۵ه ایضاً۔ ۱۹، ۱۵۰ ۱۲۶ه محمد بن عبداللہ بن ابی بکر القضاعی جو ابن الابار کے

نام سے معروف ہیں۔ المعجم فی اصحاب القاضی ابی علی الصدفی، ۷۹ — ۸۰۔
۱۲۷ھ القاضی عیاض، الالماع، (مقدمہ) ۱۲۸ھ الصلۃ، ۱، ۱۲۱ — ۱۴۳۔
۱۲۹ھ التذکرۃ، ۴، ۱۲۳۳ — ۱۲۳۴۔ ۱۳۰ھ ایضاً، ۱۲۳۴
۱۳۱ھ ابن عطیۃ، فہرست، ۷۸۔ ۱۳۲ھ الصلۃ، ۱، ۱۴۳۔
۱۳۳ھ۔ الکتانی، الرسالۃ المستطرفۃ، ۱۱۸، دیکھئے فہرس الفہارس، ۲، ۴۲۵۔ سیر اعلام، ۱۹، ۱۵۰، ابن خیر، فہرست، ۲۲۰۔
۱۳۴ھ ابن حجر، لسان المیزان ۳، ۵۴۴۔ ۱۳۵ھ ابن خیر، فہرست، ۲۲۱
۱۳۶ھ ایضاً ۲۲۵۔ ۱۳۷ھ التذکرہ، ۴، ۱۲۵۳۔
۱۳۸ھ ابن الابار، المعجم فی اصحاب القاضی، ابی علی الصدفی، ۷۹، ۸۰۔
۱۳۹ھ سیر اعلام، ۱۹، ۳۷۷ ۱۴۰ھ نفح الطیب، ۶، ۲۳۷۔
۱۴۱ھ ایضاً۔ ۶۔ ۲۳۹، سیر اعلام، ۱۹، ۳۷۸ ۱۴۲ھ فہرس الفہارس، ۲، ۱۱ ۱۴۳ھ ایضاً
۱۴۴ھ ایضاً ۱۴۵ھ الصلۃ، ۱، ۱۴۵، سیر اعلام، ۱۹، ۳۷۷۔
۱۴۶ھ۔ فہرس ابن عطیۃ ۱۰۰۔ ۱۴۷ھ سیر اعلام، ۱۹، ۳۷۷۔
۱۴۸ھ الباجی، التعدیل والتجریح، ۱، ۸۳۔
۱۴۹ھ۔ المعجم فی اصحاب الصدفی، (مقدمۃ) التعدیل والتجریح ۱، ۸۳۔
۱۵۰ھ شیوخ العصر، ۹۳ ۱۵۱ھ التذکرۃ، ۴، ۱۲۵۵۔
۱۵۲ھ ایضاً ۱۵۳ھ ایضاً ۱۵۴ھ ایضاً ۱۵۵ھ الصلۃ، ۲، ۵۸۴، دیکھئے: سیر اعلام، ۱۹، ۵۸۷۔ ۱۵۶ھ التذکرۃ، ۴، ۱۲۷۲۔ ۱۵۷ھ ایضاً۔ ۱۲۹۳۔
۱۵۸ھ ایضاً ۱۵۹ھ ایضاً، ۱۲۹۹، تاریخ قضاۃ الاندلس، ۱۰۵۔
۱۶۰ھ وفیات الاعیان، ۶، ۲۹۶۔ ۱۶۱ھ فہرس الفہارس، ۲، ۲۲۹، الصلۃ، ۲، ۴۰۹
شیوخ العصر، ۸۷ ۱۶۲ھ فہرس الفہارس، ۲، ۲۲۹۔
۱۶۳ھ تاریخ قضاۃ الاندلس، ۱۰۶۔ ۱۶۴ھ سیر اعلام، ۲۰، ۲۰۱۔
۱۶۵ھ ایضاً، ۱۱۹ ۱۶۶ھ مطبوع من بیروت۔ (بیروت سے شائع شدہ)
۱۶۷ھ التذکرۃ۔ ۴، ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵ ۱۶۸ھ سیر اعلام، ۲۰، ۲۱۴۔
۱۶۹ھ وفیات الاعیان۔ ۳، ۴۸۳۔

۱۷۰ سیر اعلام، ۲۰، ۲۱۴، الصلۃ ۲، ۴۵۳ ۔

۱۷۱ سیر اعلام، ۲۰، ۲۱۴ ۔ ۱۷۲ فہرس الفہارس، ۲، ۱۸۴

۱۷۳ ایضاً ۱۷۴ تاریخ قضاۃ الاندلس، ۱۰۱

۱۷۵ التذکرۃ، ۴، ۱۳۰۵

۱۷۶ یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں مراکش سے شائع ہوئی ہے۔ مزید دیکھئے: وفیات الاعیان، ۳، ۴۸۲

۱۷۷ فہرس الفہارس، ۲، ۱۸۶۔ ۱۷۸ ایضاً ۱۷۹ ایضاً۔

۱۸۰ سیر الاعلام، ۲۱ ۔ ۸۰۶ ۱۸۱ ایضاً۔

۱۸۲ ایضاً۔ الصلۃ، ۱، ۵۲۲ ۔ ۱۸۳ بغداد مکتبہ مثنیٰ سے شائع ہوئی ہے ۱۹۶۳ء۔

۱۸۴ التذکرۃ، ۴، ۱۳۵۰ ۱۸۵ ۔ ایضاً۔

۱۸۶ سیر اعلام، ۲۱، ۱۹۹ ۱۸۷ ایضاً ۱۸۸ ۱۳۹، ایضاً ۱۸۹ ۱۴۰

۱۹۰ التذکرۃ ۔ ۴، ۱۳۴۰ ۱۹۱ ایضاً ۔ ۴، ۱۳۴۹ ۱۹۲ ایضاً ۔ ۴، ۱۳۵۵ ۔

۱۹۳ ایضاً ۔ ۱۳۵۵ ۔ ۱۳۵۶

۱۹۴ (الاندلس الاسلامیۃ) I.H. Burny, Muslim Spain. 303

دیکھئے ریاض التاریخ، ۳۷۱ ۔ (الدراسات الاسلامیہ)

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

خدمت خلق کا صحیح تصور ۔ غلط تصورات کی تردید ۔ خدمت خلق کا اجر و ثواب ۔ خدمت کے مستحق وقتی خدمات ۔ رفاہی خدمات ۔ خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی جد و جہد ۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں مصنف کے جاندار قلم نے ان تمام گوشوں کو نکھار دیا ہے۔

ایک اہم موضوع پر اردو میں پہلی مستند کتاب، ہر فرد اور ہر ادارہ کے لیے یکساں مفید۔
آفسٹ کی حسین طباعت خوبصورت سرورق ضخامت ۱۷۶ صفحات قیمت صرف ۲۵ روپئے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱
مرکزی مکتبہ اسلامی، بازار چتلی قبر دھلی ۱۱۰۰۰۶